

مولانا حکیم عزیز الرحمن صاحب: ایک ہمہ جہت شخصیت

۱۹۱۸-۲۰۰۹ء

از: حکیم عبدالحمید صاحب
ناظم کتب خانہ دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمن صاحب سابق استاذ جامعہ طیبہ دارالعلوم دیوبند و سابق رفیق شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند ایک ایسی شخصیت کے مالک تھے جو اپنی ذات میں ایک انجمن تھے وہ ایک عالم، صوفی، شاعر، حکیم، اور کہنہ مشق مدرس تھے۔

حضرت حکیم صاحب (جنہیں آج رحمۃ اللہ علیہ لکھنا پڑ رہا ہے) سے میرا تعارف ۱۹۶۷ء مطابق ۱۳۸۷ھ میں اسوقت ہوا جب میں نے دارالعلوم سے درس نظامی سے فراغت کے بعد جامعہ طیبہ میں داخلہ لیا اسوقت سے (۱۰ ستمبر ۲۰۰۹ء مطابق ۱۹ رمضان ۱۴۳۰ھ) ۴۲ سال تک نیاز مندانہ تعلق رہا جسے بیان کرنے کیلئے ایک کتاب درکار ہے۔

حکیم صاحب کا تقرر بحیثیت مدرس طب جامعہ طیبہ دارالعلوم میں ماہ اپریل ۱۹۶۳ء میں ہوا تھا اور تقریباً چھبیس سال تک جامعہ طیبہ میں پوری تندی اور انہماک کیساتھ درس دیتے رہے اور بحمد اللہ مرحوم کا درس بہت مقبول رہا جبکہ حکیم صاحب موصوف باضابطہ کسی طبی درس گاہ کے سند یافتہ نہیں تھے لیکن یہ انعام خداوندی تھا جو انہیں اپنے مرشد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی دعاؤں کی برکت سے حاصل تھا جس کا اظہار مختلف طبی مضامین کی تدریس و تصنیف میں نمایاں نظر آتا تھا۔

۱۹۸۶ء میں جامعہ طیبہ دارالعلوم کے تحلیل ہو جانے کے بعد دارالعلوم کے تصنیفی، تالیفی اور تحقیقی شعبہ شیخ الہند اکیڈمی سے وابستہ ہو کر تصنیفی، و تالیفی خدمات انجام دیتے رہے اور اکتوبر ۱۹۸۸ء مطابق ربیع الاول ۱۴۰۹ھ کو اکیڈمی سے بھی بوجہ کبرسنی سبکدوش ہو گئے، مگر احقر سے ہمیشہ استاذی و شاگردی کا تعلق برقرار رہا اور احقر نے حکیم صاحب کی خدمت کو اخلاقی فریضہ سمجھ کر انجام دیا اور حکیم صاحب کو جو وظیفہ کبرسنی دارالعلوم کی طرف سے ملتا رہا اسے ۱۹۸۸ء سے ۲۰۰۹ء تقریباً

بائیس سال تک دارالعلوم سے حاصل کر کے حکیم صاحب کی خدمت میں بھیجتا رہا اور اس خدمت کو بوجھ نہیں باعث فخر سمجھتا رہا۔

حضرت حکیم صاحب نے ایسے خاندان میں تربیت پائی تھی جس کی خمیر میں تعلیم، دینداری، شرافت، ضیافت، وجاہت، خوردنوازی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

حکیم صاحب موصوف کے والد ماجد حضرت مولانا محمد ایوب صاحب سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل تھے جو محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے رفقاء میں سے تھے اور آپ کے مٹھلے بھائی مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن صاحب اعظمی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء و مدیر البعث الاسلامی لکھنؤ اور چھوٹے بھائی جناب ڈاکٹر مسیح الرحمن صاحب سابق پروفیسر نیشنل شبلی ڈگری کالج اعظم گڑھ اپنے اپنے حلقوں میں معروف و مشہور شخصیتوں کے حامل ہیں۔

حکیم صاحب کے معمولات کا حال یہ تھا کہ روزانہ کم از کم ایک منزل کلام پاک کی تلاوت کرتے اور دلائل الخیرات پڑھتے میرا قیام حضرت حکیم صاحب کے حجرہ کے برابر تھا دیکھتا کہ تہجد پابندی سے پڑھتے تھے، پھر اشراق، چاشت، اور نماز باجماعت بالخصوص دارالعلوم کی قدیم مسجد میں خواہ سردی ہو یا گرمی یا موسلا دھار بارش ہو مسجد میں حاضر ہوتے اسی طرح اگر کسی مجلس میں ہوتے اور نماز کا وقت ہو گیا تو اٹھ کر مسجد چلے جاتے چاہے کیسی ہی مجلس ہوتی۔

حکیم صاحب بعد نماز عشاء جلدی سوتے تھے تاکہ سحر خیزی میں رکاوٹ نہ ہو اہاں دو پہر میں نہیں سوتے تھے بلکہ اپنے لکھنے پڑھنے کا کام کرتے رہتے تھے۔

حکیم صاحب چھوٹے بڑے سب سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے اور سبھی کی خیر خواہی پیش نظر رکھتے تھے اور اچھا و نیک مشورہ دیتے جسکی زندہ مثال خود احقر کی ذات ہے۔ ہوا یوں کہ جب احقر جامعہ طیبہ دارالعلوم سے فارغ ہوا تو اسی سال حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم نے یہ تجویز منظور فرمائی کہ جو طالب علم جامعہ طیبہ کے آخری سال میں اول نمبر سے پاس ہوگا دارالعلوم اسے عملی مشق کیلئے ہاؤس فزیشن رکھے گا اس سے طلبہ میں اچھا پیغام جائے گا اور اچھے اطباء تیار ہوں گے بحمد اللہ احقر کے نام یہ قرعہ فال نکلا اور ہاؤس فزیشن کے طور پر جامعہ طیبہ حاضر ہوا اتفاق سے اس سال حکیم محمد عمر صاحب سابق پرنسپل جامعہ طیبہ حج کیلئے گئے ہوئے تھے مزید براں ایک استاذ کی جگہ خالی تھی اسلئے چند اسباق بند چل رہے تھے۔ تو اس وقت

احقر نے عبوری پرنسپل استاذی المکرم قبلہ ڈاکٹر شمیم احمد صاحب سعیدی کے کہنے پر قانونیچہ وغیرہ کے اسباق پڑھائے اسوقت نیابت اہتمام کے منصب پر حضرت مولانا معراج الحق صاحب فائز تھے انھوں نے ڈاکٹر صاحب موصوف سے فرمایا کہ عبد الحمید سے کہہ دو کہ پڑھاتا رہے اور مجلس شوریٰ سے اسکی توثیق ہو جائے گی مگر احقر نے کہا کہ کچھ خانگی مجبوریاں ہیں جس کی وجہ سے دیوبند نہیں رہ سکتا اور وجہ یہ تھی کہ والد صاحب کا انتقال ہو گیا تھا اور احقر ہی گھر میں بڑا تھا اسلئے دیوبند رہنے میں پریشانی تھی چنانچہ میں نے انکار کر دیا تو دارالعلوم نے اخبار میں اشتہار دیا کہ دارالعلوم کو ایک مدرس طب کی ضرورت ہے جب حکیم صاحب کو یہ معلوم ہوا کہ دارالعلوم نے اشتہار شائع کیا ہے تو موصوف نے بلایا اور کہا کہ تم کیوں نہیں پڑھانا چاہتے تو احقر نے مذکورہ وجہ بیان کی مگر حکیم صاحب نے مشفقانہ طور پر سمجھایا اور جب نہ مانا تو پدرانہ ڈانٹ پلائی اور ایک درخواست لکھ کر احقر کو تھمادی اور کہا کہ انٹرویو دو جب یہ درخواست لیکر قبلہ ڈاکٹر شمیم احمد صاحب کے پاس گیا تو بے حد خفا ہوئے اور فرمایا کہ جب بلا مقابلہ رکھے جارہے تھے تب تو انکار کر دیا اور اب انٹرویو میں بیٹھو گے میں نے کہا جی ہاں تو فرمانے لگے چلو درخواست دو اور قسمت آزمائی کرو چنانچہ انٹرویو دیا جس میں اٹھارہ اطباء شریک ہوئے بحمد اللہ میں کامیاب ہوا یہ ۱۹۷۲ء کا واقعہ ہے اس وقت سے ۱۹۸۶ء تک تدریسی خدمات انجام دی اور ۱۹۸۶ء میں جامعہ طیبہ کے تحلیل ہونے کے بعد ناظم کتب خانہ کی حیثیت سے خدمت انجام دے رہا ہوں مادر علمی سے یہ تعلق حکیم صاحب کے نیک مشورہ و دعا کا اثر ہے۔

حکیم صاحب کی مہمان نوازی کا عالم یہ تھا کہ دارالعلوم کی معمولی تنخواہ کے باوجود انکا اسٹونج سے شام تک بہت کم بجھتا تھا کھانے یا چائے سے تواضع ہوتی رہتی تھی عربی کی کہاوت تو پڑھی تھی کثیر المراد یعنی جس کے زیادہ چولہا جلنے کی وجہ سے راکھ کا ڈھیر ہو وہ اسکے سخاوت کی نشانی ہوتی تھی لیکن اس جدید دور میں حکیم صاحب کا اسٹودیکھ کر یہ کہاوت یاد آتی تھی اور پڑوس کی وجہ سے احقر بھی گاہے بگا ہے مستفید ہوتا رہتا تھا۔ حکیم صاحب موصوف نے دارالعلوم سے چلے جانے کے بعد احقر سے بیان فرمایا کہ دارالعلوم سے آنیکے بعد محلہ کی مسجد کی بجلی کابل میں ادا کرتا ہوں اور حضرت والا قاری مبین صاحب داماد مرشدی حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ہر مہینہ کچھ رقم بھیجتا رہتا ہوں جبکہ مدرسہ کا وظیفہ کسری شروع میں چار سو اور انتقال کے وقت سات سو بیس روپے تھا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حکیم صاحب کی شخصیت کس صفت قلندری سے آراستہ و پیراستہ تھی۔

اور میں نے خاندانی صفت اسلئے بیان کی ہے کہ احقر کی حاضری ندوۃ العلماء لکھنؤ میں برادر عزیز مولانا محی الدین محمد طیب سلمہ کی دور طالب علمی میں ہوئی اور ساتھ میں مولانا ابوالعاص صاحب وحیدی بھی تھے اسوقت قبلہ حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن صاحب ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہمان ہوئے اور خوردنوازی کا منظر دیکھا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد جناب ڈاکٹر مسیح الرحمن صاحب سابق پروفیسر شبلی کالج اعظم گڑھ سے ملاقات پر اسکا تجربہ ہوا اللہ تعالیٰ نے اس خاندان کو دینی، علمی، و دنیوی وجاہت سے نوازا ہے۔

رجال سازی

حکیم صاحب کے اندر اللہ رب العزت نے ایک خاص وصف یہ بھی رکھا تھا کہ آپ اپنے مخاطب سے مل کر اس کی افتاد طبع کا احساس کر لیتے تھے، اور جو جس طبیعت اور مزاج کا حامل ہوتا تھا اسے اپنے مفید مشوروں سے اسی طرح کے مشغلوں سے وابستہ کر دیتے تھے۔ ایسے کتنے حضرات اس وقت میرے سامنے ہیں جنہیں حکیم صاحب نے قلم پکڑنا سکھایا اور کتنے ایسے ہیں جن کو ان کے مشوروں اور صحبتوں سے مہمیز ہوئی اور صاحب تصانیف کثیرہ ہو گئے اس مختصر تحریر میں اس وقت صرف ایک نام پیش خدمت ہے وہ ہیں جناب مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی استاذ تجوید و قرأت دارالعلوم دیوبند جن کی ۸۰ سے زیادہ کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔

ایک صاحب قلم شخصیت:

حکیم صاحب جب سے جامعہ طیبہ دارالعلوم تشریف لائے تھے اسیوقت سے تدریسی کام کے ساتھ ساتھ تصنیفی و تالیفی کام کرتے رہے چنانچہ کچھ قلمی کاوشیں انکی اس طرح ہیں ”مآثر امام اعظم“، ”طب نبوی“، ”امراض صدروریہ“، ”میڈیکل انگلش اردو ڈکشنری“، ”سنگم“ کے نام سے اردو، عربی، انگریزی ڈکشنری، ”سوانح فراہی“، ”سوانح عطار“، ”سوانح ابو ہریرہ“، ”کتاب الرحمہ“، ”شاداب افریقہ“ اور بہت سی غیر مطبوعہ کتابیں اور مسودے یادگار ہیں، جنہیں باری تعالیٰ مرحوم کیلئے صدقہ جاریہ بنائے، (آمین)

موت سے کس کو رستگاری ہے

آج وہ کل ہماری باری ہے

حضرت حکیم صاحب کی کمی کا احساس جہاں گھر والوں اور متعلقین کو ہوگا وہیں انکی رحلت سے احقر کا ذاتی نقصان یہ ہوا کہ ایک مشفق و مخلص مربی سے محروم ہو گیا احقر کو حضرت حکیم صاحب کی مخلصانہ و مربیانہ دعائیں تادم واپسیں یاد رہیں گی۔

موصوف کا انتقال ۱۹/رمضان ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۰ ستمبر ۲۰۰۹ء بروز جمعرات دن میں آٹھ نو بجے کے درمیان ہوا اور اسی روز بعد نماز عشاء تجہیز و تکفین ہوئی اور نماز جنازہ حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے پڑھائی۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

